R. No 2186/[illegible]　　Regd. No. A. 822

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

[illegible]

Telephone No. [illegible]
Telegrams "ANJUMAN"

جلد ۲۰ - شمارہ ۲۱ | ایڈیٹر - آل احمد سرور | علی گڑھ - یکم جون ۱۹۶۱ء

جون ایلیا امروہوی　　(گذشتہ سے پیوستہ)

مصحفی کا جمالیاتی شعور

اور اس کے شبستان تصور تک حسین ماضی کے برباد شدہ ایوانوں میں جھلملانے والی شمعوں کی روشنی بارہا پہنچی اور اس طرح اس نے بے حضوری اور مجبوری میں بھی حسن کے حضور و شعور کی داد دی ہے۔ ؎

یاد ایام بے قراری دل ● وہ بھی یارب عجب زمانہ تھا
خورشید جھکا پڑتا تھا جس جا ● کیا جانئے کس کا وہ محل تھا

کبھی کبھی حسن خیال اس عالم یاس میں رجائیت اور طربیت پیدا کر دیتا ہے۔ ؎

شب اک جھلک دکھا کر وہ مہ چلا گیا تھا
اب تک وہی سماں ہے غرفے کی جالیوں پر

اب تک کے لفظ سے جس حسین خود فریبی کا اظہار کیا گیا ہے دیکھئے وہ خود کس قدر حسین ہے۔ ؎

کل میں جو راہ میں اسے پہچان رہ گیا
کچھ وہ بھی مجھ کو دیکھ کے حیران رہ گیا

بظاہر ہم کو ان کیفیات میں قنوطیت، پامالی، تشاؤم، اور جانکاہ غم کے احساس اور گہری یاسیت کی اداس پرچھائیاں دکھائی دیتی ہیں۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ حسن صرف "حال" ہی نہیں، بلکہ ماضی بھی تو ہے۔ فلسفۂ ارتقا کے بانی "ہر قلیطس" نے بڑی اچھی بات کہی ہے "ہر غم ایک برباد شدہ مسرت ہے اور ہر مسرت ایک برباد شدہ غم" اور ہر تاریکی ایک تباہ شدہ روشنی ہے اور ہر روشنی ایک تباہ شدہ تاریکی۔ اسی طرح ہر "حال" ایک فنا شدہ ماضی ہے اور ہر ماضی ایک فنا شدہ حال۔ ادب کی پرانی خانقاہوں کے عظمت پرست ادیبوں نے اس حقیقت سے متاثر ہو کر اپنی ماضی الوجی میں "اپالو" یعنی آسمانی آگ اور "بیلاس" یعنی گرج اور کڑک کے دیوتا کی عقیدت میں اداس مگر پر ہیبت راگ گاتے ہیں۔ ایک جمال پرست شاعر شعور لطیف کا سہارا لے کر اس مایوس کن احساس کو بھی شعریت کے حسین سانچے میں ڈھال دیتا ہے۔ ؎

خواب تھا یا خیال تھا کیا تھا؟ ● ہجر تھا یا وصال تھا کیا تھا؟
چمکی بجلی سی پر نہ سمجھے ہم ● حسن تھا یا جمال تھا کیا تھا؟

یا:-

شب جو دل دو دو ہاتھ اچھلتا تھا
وجد تھا یا وہ حال تھا کیا تھا؟

یا:-

ہے ہے ذرا سر جھکا کے چلنا ● پھر شرم سے مسکرا کے چلنا
آنا گھر میں تو مسکراتا ● اور راہ میں منہ بنا کے چلنا

جس طرح حسن فطرت کو اجاگر کرنا نیز اس کی تحسین و تزئین ایک آرٹسٹ کے فرائض میں شامل ہے اسی طرح تکمیل حسن بھی اس کا بہترین فرض ہے اور شاید سب سے اہم بھی۔ زندگی کے تسلسل، "تغیر" "تنوع" "بہاؤ" اور پھیلاؤ میں بھی تکمیل پسندی کی بے تابی ہے اسی طرح ایک محرم فطرت شاعر کو بھی تکمیل پسند ہونا چاہئے۔ تکمیل شعور نے ہی فنون لطیفہ کو تمدن کے اور دوسرے مظاہر سے ممتاز اور سربلند کیا ہے۔ اسی کا نکھرا ہوا روپ ہے جس نے شعر کو کچھ اور بھی اہمیت اور اختصاص ارزانی کئے ہیں۔ ؎

آستیں جب اس نے کہنی تک چڑھائی وقت صبح
آ رہی سارے بدن کی بے حجابی ہاتھ میں

یہاں وہ جذبہ کس قدر نمایاں ہے جو حسن کو تمامیت اور کمال عطا کرتا ہے۔ آستیں کا صرف کہنیوں تک چڑھا ہونا مگر سارے بدن کی بے حجابی کا احساس "مصحفی" کے اسی پختہ اور توانا شعور کا غماز ہے جس کو شاعری اور فطرت شناسی کہتے ہیں۔ کبھی تو "مصحفی" کی یہ محرمانہ بصیرت اس قدر شوخ و شریر ہو جاتی ہے کہ خود حسن بھی شرما کر رہ جائے۔ ؎

صاف پھولی سے عیاں ہے بدنِ سرخ ترا
نہیں چھپتا تہِ شبنم چمنِ سرخ ترا

پہلے مصرع کی صراحت اور صفائی اور دوسرے مصرع کی استعاریت اور رعنائی نے احساسِ حسن کو بھی حسن بنا دیا ہے۔ "نہیں" "چھپتا" یہ دو لفظ ایک ایسا تنگ اور سبک پردہ ہیں جس میں دوشیزہ تکمیل شرماتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ ؎

یوں ہے ڈلک بدن کی اس پیرہن کی تہ میں
سُرخی بدن کی جھلکے جیسے بدن کی تہ میں

یہ شعر سرتاپا ایک شفق رنگ اور گلابگوں صورت ہے جس کو احساسِ حسن اور حسنِ تعبیر کی حرارت نے پگھلا کر اس قدر سیال شفاف اور لطیف کر دیا ہے کہ اب وہ ایک صورت نہیں بلکہ ایک کیفیت ہو گئی ہے۔ شعورِ جمال کی ایک حد ہے اگر اس میں بے اعتدالی اور حد سے تجاوز کیا جائے تو پھر کیفیت دوسرا رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ خوش سلیقہ فن کار اس کو جانتا ہے اور خام کار تجاوز کئے بغیر نہیں رہتا۔ "انشا" کہتے ہیں۔ ؎

پرتو سے چاندنی کے ہے صحنِ باغ ٹھنڈا
پھولوں کی سیج پر آ کر دے چراغ ٹھنڈا

یہاں جمالیاتی میلان جنسی رجحان کی طرف جھکا ہوا ہے۔ چاندنی رات کی دوشیزہ و پاکیزہ رعنائی سے "مصحفی" بھی اثر پذیر ہوئے ہیں اور انھوں نے بھی شبِ ماہتاب کے نیم خوابیدہ ماحول میں کسی حسین کو دادِ حسن دی ہے مگر حدود سے تجاوز کر کے جمالی شعور کی انفرادیت کو ختم نہیں کیا۔ ؎

شبِ مہتاب میں کیا کیا سماں ہم کو دکھاتا ہے
بکھرنا چاند سے مکھڑے پہ اس زلفِ پریشاں کا

کیا کیا سماں اس اختصار ہی میں جذبات کی تمام تفصیل مضمر ہے اور احساسِ جمال کی نازک و دل پسند پاکیزگی باقی ہے۔

حُسنِ تشخیص SEMEIOTICS)

جمالیات کا ایک اہم عنوان ہے اور یہی وہ ملکہ ہے جو فنکار کے ذہن کی خاموش و خوابیدہ واردات کو کہیں الفاظ کی لہروں میں اور کہیں تصویر کے خطوط و نقوش میں ظاہر کرتا ہے۔ حسنِ تشخیص میں جہاں صبح جیسی وضاحت و صفائی پائی جاتی ہے وہاں پچھلے پہر کی سی ایمائیت و اشاریت کو بھی بنیادی حیثیت حاصل ہے "حسنِ تشخیص" جہاں وضاحت سے کام لیتی ہے اس کی مثال "مصحفی" کا درج ذیل شعر ہے :-

چھلّے سے ترا رنگِ حنا اور بھی چمکا
پانی میں نگاریں کفِ پا اور بھی چمکا

یہاں اظہارِ حسن میں بالکل وضاحت سے کام لیا گیا ہے۔ دوسری جگہ کہتے ہیں۔ ؎

جادو تو میں کہتا نہیں پر مجھوں ہوں اتنا
واللہ تری نرگسِ فتاں میں کچھ ہے

جادو تو میں کہتا نہیں ایک تشبیہ ہے جس میں تذبذب اور ابہام کا انداز شامل ہے اور نرگسِ فتاں میں کچھ ہے۔ یہ نیم یقینی کیفیت حُسن کا ایک دلنشیں اظہار ہے۔ ایک حسین شے میں حسن کے مختلف پہلو ہوتے ہیں دیکھنا یہ ہے کہ کون سا پہلو سب سے زیادہ قابلِ توجہ ہے اسی کو تجزیری جمالیت (HEURISTICS) کہا جاتا ہے۔

قہر ہیں گرچہ ساری آنکھیں بھی • پر غضب ہے خمار کا عالم

جب صبح سانس لیتی ہے اور تاریک فضائیں دھندلکوں کی نیم بیدار حالت سے بدل جاتی ہیں جیسے کہ حُسن کائنات پر ہانپتے جانے اور ڈھانپتے جانے کی کیفیت طاری ہو بالکل اسی انداز میں تجزیری جمالیت بھی حُسن کی منظر کشی کرتی ہے۔ ؎

دل لے گیا ہے میرا وہ سیم تن چُرا کر
شرما کے جو چلے ہے سارا بدن چُرا کر
ہونے دے خوش کسی کو سچ کہہ تو کیا کرے گا
سو رنج تبسم اپنی اسے خوش دہن چُرا کر

شرما کے جو چلے ہے، اور سچ کہہ تو کیا کرے گا، حسن کی رمزی اور ایمائی نوعیت کے اظہار کا کتنا پیارا عنوان ہے۔ ؎

جمنا میں کل نہا کر جب اس نے بال باندھے
ہم نے بھی اپنے دل میں کیا کیا خیال باندھے

تیری رفتار سے اک بجلی سی نکلے ہے
مست و مدہوش کوئی جیسے پری نکلے ہے

باتوں میں ادھر لعلِ فسوں گر نے لگایا
دے پیچ ادھر زلف اڑا لے گئی دل کو

ان تمام شعروں میں اشاریت و نیم اشاریت، ایمائیت و نیم ایمائیت، اخفائیت و بیانیت، غرض طرزِ تعبیر کا ہر پہلو موجود ہے۔ ؎

کون آیا ہے نہانے لطفِ بدن نے کس کے
لہروں سے سارا دریا آغوش کر دیا ہے

یہ شعر مصحفی کی جمالیاتی حسیات کا کتنا شوخ و شناسا ترجمان ہے حُسن کا تعلق عموماً نظر آنے والی چیزوں سے سمجھا جاتا ہے۔ لیکن حقیقتاً حُسن کا تعلق صورت سے زیادہ کیفیت سے ہے اور اسی طرح اسلوب بیان اور ترنم سے ایک حسین بات ایک حسین پھول سے کہیں زیادہ خوبصورت ہوتی ہے اور اسی طرح نغمہ و ترنم کا حسن مصوّر کی تصویر سے زیادہ پرکار ہوتا ہے۔ "مصحفی" کے مندرجہ ذیل اشعار میں اسی حسن کو محسوس کیجیے۔

ترے کوچے اس بہانے مجھے دن سے رات کرنا
کبھی اس سے بات کرنا کبھی اس سے بات کرنا
تجھے کس نے روک رکھا ترے دل میں کیا سمائی؟
کہ گیا تو بھول ظالم ادھر التفات کرنا

کھینچ کر تیغ یار آیا ہے • اس گھڑی سر جھکائے ہی بنی
دیکھ اس کو اک آہ ہم نے کرلی
حسرت سے نگاہ ہم نے بھر لی

(باقی صفحہ ۱۱ پر)

ہماری زبان

یکم جون ۱۹۶۱ء

"موجِ سرابِ دشتِ وفا کا نہ پوچھ حال
ہر ذرہ مثلِ جوہرِ تیغ آبدار تھا" غالب

ہندوستان کے ایک ممتاز اردو روزنامے "سٹیٹس مین" کی ۲۸ مارچ کی اشاعت میں "اردو کی بحالی" کے عنوان سے خاص نمائندے کی ایک رپورٹ درج ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:۔

"(۱) ایک حالیہ سرکاری جائزے سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف ریاستوں میں اردو کی بحالی کی کوششیں قابلِ ذکر حد تک کامیاب ہوئی ہیں۔

(۲) جولائی ۱۹۵۸ء میں پنڈت نہرو کی وجہ سے مرکز نے ریاستوں کو ہدایات جاری کیں کہ اُن ریاستوں میں جہاں اردو بولنے والے ہیں، اردو کی حفاظت کے لئے اقدامات کئے جائیں۔ ریاستوں کا جواب قابلِ اطمینان ہے۔

(۳) اُتر پردیش میں جہاں آزادی کے ابتدائی سالوں میں اُردو کے بجائے ہندی کا رواج ذرا جلدی ہوا تھا، لکھنؤ مرادآباد، سہارن پور، رام پور، بجنور، مظفر نگر اور بریلی میں ہندی کے ساتھ اُردو کو بھی سرکاری زبان مان لیا گیا ہے۔

(۴) ریاستوں میں اُردو کے عدالتوں میں استعمال کے متعلق کچھ گڑبڑ تھی اب یہ گڑبڑ دور ہو گئی ہے اور یہ عرضیوں اور دوسرے مقاصد کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے۔

(۵) مرکز کی ہدایات کے مطابق اُردو کی تعلیم کے لئے اترپردیش اور بہار میں سہولتیں مہیا کی گئی ہیں۔

(۶) آندھرا میں بھی ایک قابلِ ذکر آبادی اُردو بولنے والوں کی ہے۔ اس وجہ سے بعض حصوں میں خصوصاً تلنگانہ میں اُردو کو دوسری سرکاری زبان کی حیثیت سے باقی رکھا گیا ہے۔

(۷) پنجاب میں، مسئلہ اتر پردیش سے مختلف ہے۔ اب بھی اُردو عدالتوں اور دفتروں میں خاصے بڑے پیمانے پر استعمال ہوتی ہے، مگر اب اُسے ہندی اور پنجابی دونوں سے سخت مقابلے کا سامنا ہے۔ ان حالات میں یہ ناگزیر ہے کہ ہندی اور پنجابی کو رفتہ رفتہ بہتر مقام ملے اور اس حد تک اُردو کا زوال بھی لازمی ہے۔"

ہم نے خاصی تفصیل سے نمائندے کی رپورٹ کا ترجمہ دے دیا ہے۔ کاش کہ یہ بیان حقایق پر مبنی ہوتا۔ سچی بات یہ ہے کہ آندھرا اور پنجاب کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے، صحیح ہے، باقی سب علاقوں کے متعلق خوش فہمی سے ایک سُنہرا جال بُن رکھا ہے۔

ریاستوں کا ردِ عمل قطعی قابلِ اطمینان نہیں۔ اُنھوں نے مرکز کے جس اعلان کو تسلیم کیا ہے، اس پر واقعی عمل نہیں کیا۔ اتر پردیش میں جن چھ ضلعوں میں اُردو کو سرکاری طور پر تسلیم کیا گیا ہے، وہاں بھی اُردو کی تعلیم اور چلن کے سلسلے میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں ہوئی ہے لسانی اقلیتوں کے کمشنر کی تیسری رپورٹ سے واضح ہوتا ہے کہ اتر پردیش میں اُردو کے ذریعہ سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے والے بچوں کی تعداد میں بجائے اضافے کے کمی ہوئی ہے۔ عدالتوں میں عرضیاں ضرور لی جاتی ہیں، مگر اس سلسلے میں بھی خاصی جد و جہد کرنی پڑتی ہے۔ چھ ضلعوں میں سرکاری ریکارڈ اُردو میں نہیں رکھے جاتے۔ ثانوی اسکولوں میں تین زبانوں کا فارمولا اُردو کے خلاف برتا جارہا ہے۔ اُردو کے اُستادوں کی کمی کا عام شکوہ ہے۔ کتابیں تو ملنے لگی ہیں مگر دیر سے ملتی ہیں۔ شکایت پر برسوں میں توجہ ہوتی ہے اور زیادہ تر ٹال مٹول سے کام لیا جاتا ہے۔ اتر پردیش کے وزیرِ اعلیٰ شری چندر بھان گپتا نے بھی تسلیم کیا ہے کہ چھوٹے افسر حکومت کی ہدایات پر عمل نہیں کرتے۔ انھوں نے ایک کمیٹی بھی اس سلسلے میں بنانے کا اعلان کیا ہے۔ مگر ابھی تک نہ اس کے ممبروں کے ناموں کا اعلان ہوا ہے نہ کام شروع ہوا ہے۔ غرض مجموعی طور پر اتر پردیش میں حالات میں کوئی ایسی اصلاح نہیں ہوئی جس پر حکومت فخر کرسکے یا اُردو بولنے والے مطمئن ہوسکیں۔

بہار میں، انجمن کی جد و جہد زیادہ کامیاب ہوئی ہے اور حالات پہلے سے بہتر ہیں، مگر وہاں بھی قدم قدم پر رکاوٹیں ڈالی جارہی ہیں۔

دہلی کی حالت بھی قابلِ اطمینان نہیں ہے۔ وہاں اسکولوں، اُستادوں، کتابوں سبھی کی قلت ہے۔ دہلی کے علاقے کو فوراً ہندی کے ساتھ اُردو کا علاقہ تسلیم کرلینا چاہئے تھا۔ ابھی تک یہ بھی نہیں کیا گیا۔

پنجاب میں جو نیا فارمولا بنا ہے، اس نے اُردو کا وہاں مستقبل بالکل تاریک کر دیا ہے۔ ہاں آندھرا، مدراس، بمبئی میں ضرور اُردو کے ساتھ انصاف کی قرار واقعی کوشش ہو رہی ہے۔ راجستھان میں بھی بے حسی کم ہو رہی ہے اور حکومت اُردو دوستوں کے معروضات پر توجہ کرنے لگی ہے۔

اُردو دوست اب کسی فریب میں گرفتار ہونے کو تیار نہیں۔ وہ سراب کو حقیقت نہیں سمجھ سکتے۔ مجموعی طور پر ریاستی حکومتوں نے ابھی اُردو کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ اُردو کی بحالی کا تو ذکر ہی کیا، ابھی اُردو دوستوں کی جائز شکایات کو دور کرنے کے لئے موثر اقدامات بھی نہیں کیے گئے۔

پدما بھوشن نواب زین یار جنگ کا انتقال پُرملال

افسوس ہے کہ ۷۴ سال کی عمر میں نواب زین یار جنگ کا حیدرآباد میں انتقال ہو گیا۔ مرحوم نے عثمانیہ یونیورسٹی کی عمارتوں کا نقشہ تیار کیا تھا۔ وہ ادارہ ادبیات اُردو کے صدر تھے اور حیدرآباد کے علمی اور ادبی اداروں کی بڑی فیاضی سے امداد کرتے تھے۔ وہ حیدرآباد کی ریاست کے وزیر بھی رہے تھے۔ ادارہ "ہماری زبان" مرحوم کے انتقال پُرملال پر اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے اور پس ماندگان سے دلی ہمدردی ظاہر کرتا ہے۔

اِدھر اُدھر سے

امیر خسرو کا مجموعۂ کلام

تاجکستان کی راجدھانی استالن آباد میں فارسی کے مشہور شاعر امیر خسرو دہلوی کے کلام کا مجموعہ شائع ہوا ہے۔ امیر خسرو جو کہ ہندستان کے باشندے تھے تیرھویں چودھویں صدی کے شعراء میں بلند ترین مقام کے مالک ہیں۔ ان کے اس مجموعہ میں غزلوں، رباعیوں اور فلسفیانہ اور اخلاقی نظموں کے علاوہ ایک طویل مثنوی بھی شامل ہے۔

تاجکستان کے ریاستی اشاعت گھر کی طرف سے اس سال فردوسی کے کلام کا انتخاب اور چودھویں صدی کے مشہور غزل گو کمال خجندی کا مجموعہ اور انیسویں صدی کے ایک فلسفی احمد دانش کی تصانیف کے علاوہ گیارہویں بارہویں صدی کی خاتون شعراء کا کلام بھی شائع کیا جائے گا۔

نایاب مخطوطات

۲۲ مئی پریس ٹرسٹ آف انڈیا کی اطلاع کے مطابق ریاست جموں و کشمیر میں تقریباً سو نایاب مخطوطات پائے گئے ہیں جن میں سے بعض پندرہ سو سال پُرانے ہیں۔

یہ مخطوطات اصل کشمیری رسم الخط شاردا اور سنسکرت میں ہیں۔ یہ جن مختلف النوع اور متنوع موضوعات سے متعلق ہیں ان میں شو کا فلسفہ، بودھی افکار، قدیم علم نجوم، علم فلکیات اور ادب بھی شامل ہیں۔

مخطوطات کے اس نایاب ذخیرہ میں ایک مخطوطہ "راج ترنگنی" (تاریخ کشمیر جس میں صدیوں تک افسانے ہوتے رہے) کا اور بعض ہرش وردھن کے عہد سے تعلق رکھتے ہیں۔

ان مخطوطات سے ریاست جموں اور کشمیر کا ملک کے دوسرے حصوں سے گہرے تمدنی تعلق کا پتہ چلتا ہے۔

سوویت مصور کی بنائی ہوئی ٹیگور کی تصویر

نئی دہلی ۲۷ مئی۔ سائنسی تحقیق اور ثقافتی معاملات کی وزارت کے ایوان کانفرنس میں پیشکش کی ایک سادہ مگر پُروقار رسم ادا ہوئی جب ہندستان میں سوویت یونین کے سفیر بینے دکتوف نے ہندستان کے عظیم شاعر رابندر ناتھ ٹیگور کی ایک تصویر سائنسی تحقیق اور ثقافتی معاملات کے وزیر پروفیسر ہمایوں کبیر کو پیش کی۔ یہ تصویر سوویت یونین کی ایک واقف مصور ونا کرولستووا نے بنائی ہے۔ یہ تصویر مختصر مصوری کے اس قدیم روسی طرز میں تیار کی گئی ہے جو پالخ طرز کہلاتا ہے اور اپنی مرصع نگاری اور حسن کے لئے صدیوں سے مشہور ہے۔ یہ تصویر جو بھارت کی قومی گیلری واقع دہلی کے لئے بطور ایک تحفہ کے پیش کی گئی ہے۔

روس میں ٹیگور کے یادگاری ٹکٹ

رابندر ناتھ ٹیگور کی سوویں سالگرہ کے موقع پر روس کی وزارت ناسرو پیام نے ڈاک کا ایک یادگاری ٹکٹ جاری کیا ہے جس پر رابندر ناتھ ٹیگور کی تصویر ہے۔ اس وقت روس کے طول و عرض میں یہ ٹکٹ فروخت ہو رہا ہے اس ٹکٹ کی قیمت چھ کوپیک (روسی سکہ) ہے۔ چھوٹے پیمانے پر ٹیگور کی جو تصویر بنائی گئی ہے وہ بہت شاندار ہے۔ ٹکٹ "گہری چھاپ" کے طریقے سے چھاپے گئے ہیں۔

داس کیپٹل کا ترجمہ اُردو میں

انجمن ترقی اُردو پاکستان نے حوالے کی اور کلاسیکی کتابوں کے چھاپنے کا ایک بڑا منصوبہ بنایا ہے جس پر عمل شروع ہو چکا ہے۔ اس منصوبے کے مطابق اُردو ادب کی ایک طویل فہرست کتب جس میں پچاس ہزار اردو کتابوں کا ذکر ہوگا جو مذہب سے متعلق ہیں، جون میں بازار میں آجائے گی۔ اس کی قیمت کا فیصلہ نہیں ہوا ہے۔ اس کی تالیف بابائے اُردو مولوی عبدالحق نے کی ہے اور یہ دو ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔

انجمن ترقی اُردو کا دوسرا تاریخی منصوبہ مارکس کی مشہور اور کلاسیکی کتاب "داس کیپٹل" کا ترجمہ ہے جو سید محمد تقی نے کیا ہے۔ یہ ترجمہ جو مشرقی زبانوں میں سب سے پہلے اُردو میں شائع ہو رہا ہے اس سال کے آخر تک بازار میں آجائے گا۔

علامہ اقبال کا مکان قومی میوزیم بنایا جائیگا

لاہور ۔ ۱۷ مئی ۔ معلوم ہوا ہے کہ حکومت مغربی پاکستان نے علامہ اقبال کے مکان واقع میکلوڈ روڈ کو ایک قومی میوزیم بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس فیصلے کے تحت مکان کی ضروری مرمت شروع کر دی گئی ہے۔

اس میوزیم میں علامہ مرحوم کے خاکے، مسودے، تصانیف اور خطوط محفوظ کئے جائیں گے۔

شہاب سرمدی

گیانی ٹھاکر

(ٹیگور کی یاد میں)

تم بڑے گیانی تھے ٹھاکر
پتھروں کی پیاس تم نے جان لی
سوکھے ہونٹوں میں جو کمپن
جو دھڑک تھی،
دکھ کی جو مسکان تھی پہچان لی۔
پتھروں نے چوٹ کھا کر
روپ پایا،
بوجھ تھک تھک کا اٹھا کر
سکھ لٹایا،
دوار جاگے نین جیسے
طاق دیپک سے سجے،
وہ منڈیروں کی اداسی
وقت جیسے کچھ کہے
کھڑکیاں چپ ڈھیوڑیاں اجڑی ہوئی
شہ نشینوں میں اندھیرا دھوپ آنگن میں بھری
"آدھو آلو، آدھو چھایا نے"
یہی ہے زندگی

○

یہ سمے ساگر انسیمت
یہ بچھا دھرتی پہ جال
یہ ستارے، یہ زمیں، یہ آسماں، یہ رات دن،
یہ اندھیرے، یہ اُجالے، یہ فضا، یہ رنگ روپ،
ایک بن بوجھی پہیلی کے یہ سارے سلسلے
رات جب بھی جھلملائی۔ پو پھٹی
چھاؤں سی سیتل سلونی
صبح کی گنگ ... سی دیوی چلی
نیند سے پھولوں کو چونکاتی ہوئی
جھوم کر سبزہ اٹھا، انگڑائی لے کر پنکھڑی
ہر طرف لہرائیں خوشبو کی لٹیں بکھری ہوئی
ان میں اڑتی ایک لٹ کرنوں نے بڑھ کر چوم لی
آگ تن من میں لگی، گھونگھٹ میں گوری جل اٹھی
گنگناتی آرزو، رگ رگ میں گونجی راگنی
ایک لے قائم ہوئی،
ہاں۔ یہی ہے زندگی۔

○

یہ ہمالے کی بلندی
آبشاروں کا یہ شور۔
مدھ ماجیسے کوئی جوگی،
تانڈو جیسے کٹھور۔
یہ چٹانیں، یہ اندھیری گھاٹیاں،
اُٹھ رہا ہے جن سے ہیبت کا دھواں،
ان گنت دھاڑتے، چنگھاڑتے
جی رہے ہیں جینے والے ولولے۔
جس طرح بھی چاہے قدرت سانس لے
آدمی سوئے تو جنگل جاگ اٹھے۔
دن اُدھر بیتا اِدھر شام آگئی،
ڈوبتے سورج کی لالی چھا گئی،
پتہ پتہ نور میں ڈوبا ہوا،
بن کا ہر کانٹا بھبھوکا بن گیا،
ہر گگن اک رنگ میں نکھرے ہوئے،
چپ رہے اور جتن سے بنتے گئے،
جیسے کوئی سب دریچے بھیڑ دے،
اور پھر اک نغمہ کن چھیڑ دے،
جیسے گیتا رن کے ہاہاکار میں،
جیسے وشنو کرشن کے اوتار میں،
ایک مُرلی باندھ دے جیسے سماں،
چاندنی میں جیسے ناچیں گوپیاں،
جیسے چپ موہن کی نش دن من میں ہو،
اور اکیلی رادھکا مدھوبن میں ہو۔
تم نے یہ لیلا، یہ ناٹک، یہ رہس
اور ہر مورت کی صورت جان لی، پہچان لی،
تم بڑے گیانی تھے ٹھاکر!

ٹیگور

ترجمہ: عزیز حامد مدنی

"دیا"

سورج نے کہا کہ کوئی دم میں
چھا جائے گا تا افق۔ اندھیرا
کیا ہے تجھ کو اے شبِ تار
اب کون ہے جانشین میرا
بستی کے نشیب میں لرزتا
ننھا سا دیا جو تھا سرِ شام
بولا کہ حضور میں ہوں حاضر
دنیا میں ہے ایک نسبتِ نام

آغا سنجر کاشمیری

قطعہ

نہ صدیوں تک ہوا ہے اور نہ صدیوں تک کوئی ہوگا
وطن کے مجمع میں ٹیگور جیسا اب گہر پیدا
بقول حضرت علامہ اقبال اسے منظر
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

انجمن کا خبرنامہ

رپورٹ سالانہ جلسہ عام انجمن ترقی اُردو ہند (شاخ کلکتہ)

انجمن ترقی اُردو شاخ کلکتہ کا سالانہ جلسہ اتوار ۱۴ مئی ۱۹۶۱ء کو ۴ بجے سہ پہر کے وقت انجمن کے دفتر واقع مداسو ترکی اسٹریٹ میں زیر صدارت جناب سید امیر رضا کاظمی منعقد ہوا۔ ممبروں کی بڑی تعداد سے ہال بھرا ہوا تھا۔

سب سے پہلے اعزازی جنرل سکریٹری جناب ایم۔ اے مجید نے گزشتہ جلسہ عام کی کارروائی پڑھ کر سنائی جس کی تصدیق کی گئی۔ اس کے بعد انھوں نے ۶۱-۱۹۶۰ء کی رپورٹ پیش کی جسے بالاتفاق منظور کیا گیا۔ پھر حسابات بابت ۶۱-۱۹۶۰ء پیش کئے گئے جنھیں اتفاق آرا کے ساتھ منظور کیا گیا۔

مجلس عاملہ نے دستور العمل میں بعض ترمیمات کی سفارش کی تھی وہ بالاتفاق منظور ہوئی۔ آمد و خرچ کا تخمینہ بابت ۶۲-۱۹۶۱ء پیش ہوا اور منظور کیا گیا۔ مسرز ایس مینا اینڈ کمپنی چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ کو اعزازی محاسب کا انتخاب کر کے مقرر کیا گیا اور یہ طے کیا گیا کہ ان کی عدم منظوری کی صورت میں مجلس عاملہ کسی دوسرے مناسب محاسب کا انتخاب کرے۔

پھر ۶۲-۱۹۶۱ء کے لئے انتخاب ہوئے جناب احمد سعید ملیح آبادی کی تحریک اور جناب احمد اللہ انصاری کی تائید اور جناب سالک لکھنوی کی تائید مزید کے ساتھ جناب ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی صاحب بالاتفاق صدر منتخب ہوئے اور حسب ذیل ۲۰ ممبروں کا انتخاب مجلس عاملہ کے لئے ہوا۔

جناب ایس۔ اے سالک لکھنوی۔ جناب سید امیر رضا کاظمی جناب علی احمد صدیقی۔ جناب ایم۔ اے مجید جناب غلام قادر خاں۔ جناب احمد سعید ملیح آبادی جناب یوسف فیروزی۔ جناب احمد اللہ انصاری۔ جناب علقمہ شبلی۔ جناب اقبال اکرامی۔ جناب محمود عالم باریدپوری۔ جناب سریندر کمار بجاج جناب خالد قریشی۔ جناب حافظ ظاہر علی۔ جناب عثمان الزبیری۔ جناب شاہ وصی الدین صاحب۔ جناب رحمان رضی صاحب۔ پروفیسر عبدالرؤف۔ جناب اعزاز افضل۔ جناب ظہیر ارشاد۔ جناب اسد الزماں۔ جناب نصر غزالی۔ جناب محمد جان۔ جناب ایس ایم سلیمان جناب حبیب الرحمٰن۔ جناب نظام الدین حیدر۔ جناب رئیس الحق اور جناب محمد علیم۔

جناب صدر نے اس کے بعد حاضرین جلسہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے انجمن کی خدمات کو سراہا اور اُردو دوستوں سے اپیل کی کہ انجمن کے ساتھ عملی تعاون فرما کر اسے اپنے منصوبوں میں کامیاب کریں۔

[illegible] غلام قادر خاں نے آخیر میں جناب صدر اور حاضرین کا شکریہ ادا کیا اور [illegible] بجے شام کو نہایت کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔

(ادریس الحق۔ پبلسٹی سکریٹری)

انجمن ترقی اُردو شاخ دلی کے عہدیداروں کا انتخاب

۱۸ مئی کو انجمن ترقی اُردو شاخ دلی کے عہدیداروں کا انتخاب عمل میں آیا۔ جناب تلوک چند صاحب محروم اور محترمہ بیگم انیس قدوائی صاحبہ نائب صدر اور بیگم حمیدہ سلطانہ صاحبہ جنرل سکریٹری نیز جواد احمد راقم صدیقی اور راجیشور سنگھ صاحبان جائنٹ سکریٹریز بالاتفاق رائے چنے گئے۔ مستقل طور پر جناب شیخ محمد حامد الدین صاحب جاپان والے خزانچی بنائے گئے۔ طے پایا کہ جناب ظفر ادیب صاحب عارضی طور پر آفس سکریٹری کے فرائض انجام دیں گے۔ اس سلسلے میں جناب گلزار دہلوی کی تجویز اور جناب بہار برنی کی تائید سے ایک قرارداد منظور کی گئی۔ ظفر ادیب صاحب اعزازی آفس سکریٹری کے فرائض انجام دیں۔

جلسہ کی صدارت صدر انجمن ترقی اُردو شاخ دلی پنڈت سندر لال نے کی۔ شرکاء جلسہ میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ایم۔ پی ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند۔ مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی۔ اجمل خاں۔ جناب حکیم شریف خاں صاحب۔ جناب ظفر پیامی۔ جناب عزیز وارثی جناب گلزار دہلوی اور جناب بہار برنی شامل تھے۔ جنرل سکریٹری نے گزشتہ جلسے کی رپورٹ پیش کی جس کو منظور کر لیا گیا۔

چھتیس گڈھ اُردو کانفرنس

ضلع بلاسپور میں ۱۶ اُردو اسکولوں کے قیام کی مہم شروع کی گئی ہے۔ توقع ہے کہ انجمن اس مہم میں ضرور کامیاب رہے گی۔ ان اسکولوں کے قیام کے بعد ۱۰ اور ۱۱ جون سنہ ۶۱ء کو چھتیس گڈھ میں اُردو کانفرنس منعقد ہوگی جس میں دیگر امور کے علاوہ مندرجہ ذیل مسائل پر بطور خاص غور کیا جائے گا۔

(۱) حال میں قائم کئے گئے سولہ اسکولوں کی ضروریات اور مصارف۔ (۲) مولانا آزاد تعلیمی اسکیم کا جاری کیا جانا۔ (۳) مڈل اور ہائی اسکول کے موجودہ نصاب کے نقائص جن سے اُردو کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ (۴) اُردو کی درسی کتابیں اور (۵) تربیت یافتہ اُردو اساتذہ کا انتظام۔

حافظ محمد ابراہیم وزیر حکومت ہند کو بطور خاص مدعو کیا جا رہا ہے۔ کانفرنس میں مشاعرے کے علاوہ نمائش کا بھی پروگرام ہے۔

مدھیہ پردیش کے اُردو تعلیم سے دلچسپی رکھنے والے بزرگوں اور کانفرنس میں شرکت کے متمنی حضرات سے درخواست ہے کہ وہ اپنے پتے سے آگاہ فرمائیں تاکہ ان کے پاس دعوت نامہ اور مفصل پروگرام بھیجا جا سکے۔

(ایم۔ اے سبحان ناظم، انجمن ترقی اُردو، نزد سنتوش بھوجنالیہ۔ جونی لائن ضلع بلاسپور ایم۔ پی)

مزارِ حضرت امجد پر ادارہ کی طرف سے کتبہ کی تنصیب

حضرت امجد حیدرآبادی کے چہلم کے موقع پر ان کے مزار پر ادارے کی طرف سے ایک دو رخی سنگ مرمر کا کتبہ نصب کیا گیا ہے، جس کے بیرونی رُخ پر امجد صاحب کی رباعیات کندہ ہیں اور دوسرے رُخ پر جناب محمد اکبر الدین صدیقی لکچرار سیف آباد سائنس کالج و مرتب کتاب "یادگارِ امجد" کا تاریخی قطعہ کندہ ہے۔ (وقار خلیل) ادارہ ادبیات اُردو حیدرآباد

انجمن ترقی اردو راجستھان کا سالانہ اجلاس

جے پور - ۲۱ مئی کو ۹ بجے دن انجمن ترقی اردو راجستھان کا سالانہ اجلاس مسلم مسافر خانہ جے پور کے اردو محل میں منعقد ہوا۔ جنرل سکریٹری نے گزشتہ سال کی کارروائی کی تفصیلی رپورٹ پیش کی۔ اس کی حسب ذیل تجاویز منظور ہوئیں :-

(۱) باوجودیکہ ۱۹۵۶ء میں گورنمنٹ راجستھان نے مفصل احکام جاری کر دئے ہیں کہ درجہ اول سے درجہ پنجم تک مقررہ تعداد طلبہ کے لحاظ سے مادری زبان (اردو) کی تعلیم کا انتظام کر دیا جائے، اور یہ کہ جملہ مضامین اردو میں پڑھائے جائیں اور اس خیال سے کہ بچے چھٹے درجے میں پہنچ کر ہندی میں کمزور ثابت نہ ہوں درجہ سوم سے ہندی زبان بطور لازمی مضمون اور پڑھائی جائے۔ مگر تیسرے درجے سے اردو کی تعلیم ابتک جاری نہیں کی گئی ہے اور نہ اردو ادب کی ریڈر کے سوا دیگر مضامین کی کتابیں نامزد کی گئی ہیں۔ لہٰذا گورنمنٹ کو پھر متوجہ کیا جائے۔ نیز انجمن کی مقامی شاخوں کو خاص طور سے توجہ دلائی جائے کہ وہ مقامی طور پر بھی یہ کوشش کر کے نتیجے سے اطلاع دیں اور جن لوگوں کو یہ غلط خیال پیدا ہو گیا کہ بچے چھٹے میں پہنچ کر اردو پڑھتے رہنے کے باعث ہندی میں کمزور رہ جائے گا۔ ان کو حسب شرح بالا اچھی طرح سمجھا کر مطمئن کریں۔

(۲) ساہتیہ اکیڈمی راجستھان سے اردو کا حق اسکو دلانے کے لئے جد و جہد کی جائے کہ جس کے مقاصد میں اردو کی ترقی بھی ہے جس کو وہ نظر انداز کئے ہوئے ہے۔

جنرل سکریٹری کی رپورٹ کا متن حسب ذیل ہے :-

سالانہ رپورٹ جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو راجستھان

ابتدائے یکم اپریل ۱۹۶۰ء لغایت ۳۱ مارچ ۱۹۶۱ء

عالی جناب صدر صاحب و حاضرین کرام!

اگرچہ ماہ اکتوبر ۱۹۶۰ء تک کی مکمل کارروائی کا ایک کتابچہ ماہ نومبر ۱۹۶۰ء میں شائع کیا جا چکا ہے جس میں انجمن ہذا کی ان خدمات کا بالتفصیل ذکر ہے جو اس وقت تک انجام دی گئیں۔ تاہم گزشتہ سال کی مختصر روداد حسب ذیل ہے :-

مردم شماری: اس بابت اگرچہ اپریل ۱۹۵۹ء سے ہی حکام وقت سے خط و کتابت کی جا رہی تھی مگر اہمیت کار کے پیش نظر یکم مئی ۱۹۶۰ء کو ایک رابطہ کمیٹی مقرر کی گئی جس کے متعدد اجلاس ہوئے۔ حکام مجاز مثلاً سپرنٹنڈنٹ مردم شماری راجستھان سے بھی انجمن ہذا کے وفد ملے۔ کتابچوں اور ہینڈ بلوں کی صورت میں کافی لٹریچر بھی شائع کیا گیا۔ کثرت سے خط و کتابت ہوئی۔ متعدد صاحبان نے دورے بھی کئے مثلاً خان محمد رشید اللہ خاں صاحب بی اے نے تمام کمشنری جودھ پور کا دورہ کیا۔ راقم جنرل سکریٹری نے جودھ پور۔ ناگور۔ بیکانیر۔ چورو۔ بھیلواڑہ۔ اجمیر۔ ٹونک۔ چتوڑ۔ اودے پور۔ بھیلواڑہ۔ ڈونگر پور اور جھنجھنوں وغیرہ پہنچ کر حالات معلوم کئے۔ مقامی اصحاب نے بھی اپنے اپنے علاقوں میں کئی جگہ دورے کئے اور متعلقہ حکام سے ملاقاتیں بھی کیں۔ جیسے جیسے جہاں جہاں سے مردم شماری کے موقع پر بے ضابطگی زیادتی اور خلاف ورزی احکام وغیرہ کی شکایتیں ملیں وہ بھی حکام مجاز تک پہنچائی گئیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اعلیٰ افسران ریاست نے ہمدردانہ عمل بھی کیا۔ انھوں نے فوراً احکام بھی جاری کئے اور اطمینان بھی دلایا۔ مگر یہ بھی واقعہ ہے کہ نیچے درجے کے اکثر لوگوں نے اپنی مرضی سے اردو کی حق تلفی میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ یہ بے ضابطہ و قانون اور ہدایات کی خلاف ورزی بڑی بیباکی سے کی جس کی تفصیل باعث طوالت ہے۔ مگر جیسا کہ عرض کیا گیا حکام مجاز کو اس سے باخبر کیا جا چکا ہے۔ اور اس سلسلے میں ایک نائب تحصیلدار تحصیل میرانشہر کے خلاف باضابطہ تحقیقات بھی ہوئی ہے۔ ختم مردم شماری پر بھی ایک مفصل چٹھی جس میں کل شکایات کا ذکر ہے حکام کو بھیج دی گئی ہے۔ الغرض انجمن ہذا اور اس کے معاونین سے جو کچھ بن پڑا پوری ذمہ داری و سنجیدگی سے وقتاً فوقتاً عمل کیا گیا۔ اب نتیجہ کا انتظار ہے۔

اس کام کے لئے مرکزی انجمن نے بھی مالی امداد کی مبلغ پانچ سو روپے کی ایک قسط وصول ہو چکی ہے اور اسی قدر رقم کی دوسری قسط بھی جلد وصول ہونے کی امید ہے۔

تعلیم اردو: پرائمری اور مڈل کلاسوں میں اردو کی تعلیم جاری کئے جانے کی بابت اگرچہ گورنمنٹ راجستھان نے ۱۷ فروری ۱۹۵۶ء کو احکام جاری کر دئے تھے مگر ان پر پورا عمل آج تک نہیں ہوا ہے۔ صرف چند جگہ پہلے اور دوسرے درجوں میں محض ایک اردو ریڈر پڑھائی جا رہی ہے۔ باقی کچھ نہیں۔ حالانکہ حسب احکام پانچویں کلاس تک کل مضامین ایسے اسکولوں میں جن کے کسی ایک کلاس میں دس طلبہ یا پورے اسکول میں چالیس ہوں اردو والوں کو اردو ہی کے ذریعہ اردو میں پڑھائے جائیں گے۔ اور تیسرے درجے سے بطور لازمی مضمون ہندی بھی پڑھائی جائے گی تاکہ وہ آگے چل کر ہندی میں کمزور نہ رہیں۔ اسی طرح مڈل کلاسوں میں بھی اگر حسب شرح بالا تعداد ہے تو اردو بطور اختیاری مضمون پڑھائی جائے گی۔ مگر اب تک نہ ریڈروں کے سوا دیگر مضامین کی کتابیں نامزد ہیں نہ ان کا سلیبس میں اندراج ہے۔ نہ تیسرے درجے سے اردو کی پڑھائی کا انتظام ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ نامزد کردہ ریڈریں بھی ہر جگہ نہیں ملتیں، یا جامعہ ملیہ دہلی سے منگوائی جاتی ہیں یا امام ترین لال بک سیلر الٰہ آباد سے۔ لہٰذا اس بابت ۱۳ مارچ ۱۹۶۱ء کو ایک وفد انجمن ہذا کا چیف سکریٹری صاحب راجستھان سے ملا تھا اور ضروری و مناسب کارروائی اس بابت کی جا رہی ہے تاکہ امتحانات سے جو کارروائی ۱۹۶۱ء سے شروع ہو رہا ہے احکام گورنمنٹ پر عمل درآمد شروع ہو سکے۔ انجمن ہذا نے ضروری معلومات تمام راجستھان سے حاصل کر لی ہیں جنھوں نے مادری زبان کی اہمیت کو سمجھا ہے اور متعلقات سے صحیح اطلاعات دی ہیں ان کے کس قدر بچے پڑھائے جاتے ہیں۔ اور جہاں کہ بچے اردو نے کسی بھی وجہ سے جواب نہ دیا اس کا نتیجہ انھیں خود ہی معلوم ہو جائے گا جو ۱۹۶۲ء میں آ رہا ہے۔

اردو کے اساتذہ کے لئے ٹریننگ سینٹر کھولنے کا سوال بھی حل طلب ہے اور لائبریریوں میں اردو کی کتابوں کی خریداری کی بابت بھی خط و کتابت جاری ہے۔

چونکہ تمام راجستھان میں کسی بھی جگہ اردو ایم اے میں تعلیم نہیں ہے اس لئے یہ سوال انجمن ہذا نے گزشتہ سال بھی اٹھایا تھا اور اس سال بھی تحریک کرے گی۔

(باقی)

مراسلات

ابو الکمال سید عبد الحکیم دسنوی

ہماری زبان کے شمارہ ۱۳ میں سید شہاب الدین دسنوی کے قلم سے دلیسنہ لائبریری کی روداد پڑھ کر ابو الکمال سید عبد الحکیم دسنوی مرحوم کی یاد تازہ ہو گئی، ان کے متعلق شہاب صاحب کا یہ تاثر بالکل صحیح ہے، کہ وہ دلیسنہ لائبریری کے کیا تھے اور کیا نہیں تھے، وہ یقیناً اُس کے بانی بھی تھے، اور ناظم بھی، مشیر بھی تھے اور نگراں بھی، سرپرست بھی تھے اور کلرک بھی، سکریٹری بھی تھے اور فراش بھی، جس طرح مولانا سید سلیمان ندوی اور دار المصنفین اعظم گڑھ لازم ملزوم تھے، کہ نا ممکن تھا کہ ایک کے خیال کے ساتھ دوسرے کا خیال نہ آئے، بالکل اسی طرح سید عبد الحکیم اور کتب خانۂ اصلاح دلیسنہ بھی لازم ملزوم تھے، کہ جب ایک کا خیال آتا تھا، تو لازمی طور پر دوسرے کا خیال ضرور آجاتا تھا جس طرح علامہ سید سلیمان ندوی کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ مولانا شبلی کی وفات کے بعد ان کی یادگار میں اعظم گڑھ جیسے دور افتادہ شہر میں دار المصنفین کا قیام اور ان کے آخر عمر کی مقدس کتاب سیرت اور ان کے دوسرے نا تمام علمی کاموں کی تکمیل ہے بالکل اسی طرح سید عبد الحکیم دلیسنہ کا سب سے بڑا کارنامہ دلیسنہ کی چھ سو نفوس کی مختصر ترین آبادی میں محض اپنی ہمت و حوصلہ کے بھروسہ پر اتنا بڑا عظیم الشان اُردو کتب خانہ قائم کرنا ہے، جس کے ساتھ ان کی پوری تاریخ زندگی وابستہ ہو گئی ہے، جب بھی کہیں اس کا ذکر آئے گا، اور اس کی تاریخ لکھی جائے گی، تو سید عبد الحکیم دسنوی کی یاد ضرور تازہ ہو جائیگی۔

یہ بہت خوب ہوا، کہ جس طرح افادۂ عام کے خیال سے کتب خانہ حبیب گنج علی گڑھ کی آزاد لائبریری میں منتقل ہو کر آگیا، اُسی طرح بعض اہل الرائے اور مآل اندیش بزرگوں کے مشورہ سے کتب خانہ الاصلاح بھی دلیسنہ جیسے دور افتادہ گاؤں سے اُٹھ کر خدا بخش لائبریری پٹنہ میں آگیا ہے اور دلیسنہ کے انتساب سے اس میں اس کا ایک مستقل سیکشن قائم ہو گیا ہے، جس سے استفادہ و استفاضہ شائقین اُردو کے لئے اب بہت آسان ہو گیا ہے، مولوی سید عبد الحکیم صاحب کو اس کتب خانہ سے عشق تھا، تقسیم کے بعد ان کا پورا خاندان ایک ایک کرکے پاکستان منتقل ہو گیا، ان کے خاص کنبہ کے افراد بھی رفتہ رفتہ چلے گئے، اور یہ دلیسنہ سے نہیں نکلے اور زندگی کے مصائب و مشکلات کا پورے صبر و استقامت کے ساتھ یکہ و تنہا مقابلہ کرتے رہے، یہاں تک کہ وہ رفتہ رفتہ بڑھاپے، طول عمر اور مسلسل بیماریوں کی وجہ سے پہلے قوت سماعت پھر قوت بصارت سے بھی محروم ہو گئے، نوبت باینجا رسید کہ بغیر کسی سہارے کے وہ نقل و حرکت تک سے معذور ہو گئے، اس حالت بے چارگی وہ بھی سامنے قریبی اعزا کی عدم موجودگی میں دلیسنہ کا مزید قیام ان کے لئے جتنا صبر آزما ہو سکتا تھا، وہ ظاہر ہے۔ بالآخر انھوں نے بھی حالات سے مجبور ہو کر پاکستان جانے کا فیصلہ کر لیا۔ ہندوستان کے مختلف مقامات میں اب بھی اہل دلیسنہ کی کافی تعداد موجود ہے جن کے سرخیل سید نجیب اشرف صاحب ندوی ایم۔ اے ڈائرکٹر انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ہیں، اور وہ وطن کی محبت اور خدمت کا حق ادا کر رہے ہیں، ان تمام لوگوں کو انھوں نے خطوط لکھے کہ میں ہر ایک کی خدمت میں خود تو نہیں پہنچ سکتا، اگر آپ لوگ دلیسنہ آکر مجھ سے ملاقات کرلیں، تو بڑی عنایت ہو، اس طرح کے خطوط مولانا شاہ معین الدین ندوی ایڈیٹر معارف، اور سید صباح الدین عبد الرحمٰن صاحب کے پاس بھی آئے جو اُن کے ہم وطن ہی نہیں عزیز خاص بھی ہیں۔ لیکن یہ دونوں حضرات اپنی غیر معمولی مصروفیتوں اور مشغولیتوں کے باعث اُن سے ملنے کے لئے دلیسنہ نہ جا سکے۔ مجھ کو ان کی خدمت میں براہ راست نیاز تو حاصل نہیں تھا تاہم اس موقع پر ایک خط لکھ کر اپنا ہدیہ اخلاص و محبت اُن کی خدمت میں پیش کیا، جو ان کے متعلق میرے ذاتی تاثرات و احساسات کا مظہر ہے، اور اسے میں ہماری زبان کے ناظرین اور خصوصاً ہندوستان میں موجود ارباب دلیسنہ کی دلچسپی کے لئے ذیل میں نقل کرتا ہوں:۔

واقعہ کتنا حسرت انگیز ہے کہ پاکستان جانے والا یہ مسافر پاکستان جانے کے لئے ابھی لوگوں سے رخصت ہی ہو رہا تھا، کہ خاک وطن دامنگیر ہو گئی، اور چند دن کی علالت کے بعد وہ ہمیشہ کے لئے اسی میں آسودۂ خواب ہو گیا۔ اللّٰھم اغفرلہٗ۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

خط بنام سید عبد الحکیم صاحب دسنوی

میں آپ کے نام، صفات گوناگوں ملی و قومی خدمات اور کارناموں اور ان سب سے بڑھ کر آپ کے اور سید صاحب کے باہمی روابط و تعلقات سے تو بحمد اللہ بہت عرصہ سے واقف ہوں اور اگر آپ سید صاحب کی صاحبزادی شکیلہ خاتون کی شادی میں شبلی منزل آئے ہیں، تو آپ کی زیارت سے بھی اپنی آنکھیں روشن کر چکا ہوں، لیکن اُس ہنگامہ میں آپ سے تعارف کی عزت اور سعادت حاصل نہ کر سکا، اب جبکہ آپ عازم پاکستان ہیں اور وہاں سے واپس آنے کا ارادہ نہیں رکھتے، تو آپ کی دوبارہ زیارت اور ملاقات کی توقع کیا کر سکتا ہوں، خدا کرے پاکستان کا قیام آپ کے لئے مبارک، اور وہاں کی آب و ہوا آپ کے لئے سازگار، اور صحت بخش ہو،

میرا دار المصنفین سے تعلق بہت پرانا ہے، اور اس ادارہ سے متعلق تمام فرزندان دلیسنہ کی خدمت میں مجھے نیاز حاصل ہے، مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی، مولف تاریخ سندھ ہجری، سید نجیب اشرف صاحب ندوی ایم۔ اے، آرزو مرتب رقعات عالمگیر، سید ابو عاصم صاحب ایڈوکیٹ ولیکچرار فیڈرل یونیورسٹی کراچی، ان کے بڑے بھائی

سید ابو سالم جن کا اعظم گڑھ میں انتقال ہو گیا، اور جو شبلی منزل کے احاطہ میں مدفون ہیں، وہ سرائے میر میں اسپرے کلاس فیلو تھے، جب بھی اہل وطن کی صحبتیں نصیب ہوتی ہیں، آپکا ذکر خیر ضرور آتا ہے۔

سید صاحب مجھ کو بہت مانتے تھے، ان کی اکثر کتابوں کے مسودے میں نے ہی صاف کئے ہیں، مثلاً سیرۃ النبی حصہ چہارم، عرب و ہند کے تعلقات، خیام وغیرہ، سید صاحب کے پاکستان چلے جانے کے بعد ان کے شائع شدہ مضامین کے جمع و ترتیب کا خیال کارکنان دار المصنفین کو پیدا ہوا، تو ان کے ایماسے ان مضامین کے جمع و نقل کی خدمت بھی میں نے ہی انجام دی۔ اس طرح سے موصوف کے الندوہ، الہلال، کے تمام مضامین اور معارف کے بعض اہم طویل تاریخی و تحقیقی مقالات نقل ہو گئے، الہلال کے مضامین میں مولانا ابو الکلام کے خطیبانہ صحافتی رنگ میں سید صاحب کا وہ معرکۃ الآرا مضمون بھی شامل ہے جو مشہد اکبر کے عنوان سے ۱۳ راگست ۱۹۱۳ء کی اشاعت میں شائع ہوا تھا اور جس کی وجہ سے گورنمنٹ بنگال نے الہلال کی ضمانت ضبط کر لی تھی۔ یہ تمام مضامین سید ابو عاصم صاحب کے پاس سید صاحب قبلہ کی زندگی ہی میں بھیج دئے گئے تھے جو غالباً محفوظ ہوں گے، ان میں صرف ایک سلسلۂ مضمون جو معارف کے ۶، ۷ نمبروں پر مشتمل تھا، اور اس کا موضوع مسلموں کے دور میں ہندوستان کی تعلیمی و علمی ترقی ہے، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کی طرف سے شائع ہو چکا ہے، بقیہ مضامین اسی طرح غالباً پڑے ہیں جن کے جمع و ترتیب و اشاعت کی طرف توجہ کرنے کی اب تک سید ابو عاصم صاحب کو فرصت نہیں مل سکی ہے، سید صاحب نقوش سلیمانی کو بعد کے مضامین کے اضافہ کے ساتھ دو جلدوں میں شائع کرنا چاہتے تھے لیکن اب تک اس کی ایک ہی جلد شائع ہو سکی ہے، وہ بھی طباعت و کتابت و کاغذ کے اعتبار سے قدیم ایڈیشن سے بہت فروتر ہے، سید صاحب کا ایک لمبا سلسلۂ مضمون معارف میں عورتوں کے حقوق پر ہے، گو ناتمام ہے لیکن پھر بھی اس کو ایک رسالہ کی صورت میں چھپوا کر شائع کیا جا سکتا ہے۔

سید صاحب کی ایک اسکیم، ان کے نام کے ہر طبقہ کے مشاہیر کے خطوط کے جمع و اشاعت کی بھی تھی، جو اب تک عمل میں نہیں آسکی، اس نادر ذخیرہ کا بڑا حصہ بھی، میں نے ہی نقل کیا ہے، اور ابو عاصم صاحب کے پاس جا چکا ہے، مگر ان سب سے ضروری تو خود سید صاحب کے خطوط کی اشاعت ہے، جو ان کے احباب، تلامذہ، رفقاء، اور ارادتمندوں کے پاس محفوظ ہوں گے، یہ سارے خطوط سید صاحب کی لائف کے مستند ترین ماخذ ہیں جن سے اس کی تالیف کے سلسلے میں فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، انھوں نے سب سے زیادہ خطوط آپ کو لکھے تھے، یہ آپ کی قدر دانی محبت اور تعلق خاطر کا بہت بڑا ثبوت ہے کہ آپ نے ان کا ایک ایک قصہ محفوظ رکھا، اور ان تبرکات کو نہایت فیاضی کے ساتھ آپ نے صباح الدین صاحب کے توسط سے دار المصنفین کے حوالہ کر دیا، جن کو میں انہی کے ایما سے تاریخ وار نقل کر رہا ہوں جو فلسکیپ سائز کے دو ڈھائی سو صفحوں میں آئیں گے، اگر کبھی فرزندان دبستہ کے نام کے خطوط کا کوئی مجموعہ مرتب اور شائع ہوا تو آپ کے نام کے منشآت عالیہ سر فہرست ہوں گے،

ان خطوط سے اندازہ ہوتا ہے، کہ آپ سید صاحب کو کس قدر عزیز تھے، اور پھر آپ کے خطوط کتنے قیمتی اور ضروری ہوتے تھے جن کا جواب دینا وہ سب سے زیادہ مقدم اور ضروری سمجھتے تھے زندگی میں سید صاحب کو بڑے سے بڑا اعزاز حاصل ہوا، بڑی علمی و ملکی و دینی و سیاسی کانفرنسوں اور انجمنوں کے صدر ہوئے لندن و پیرس اور حجاز و کابل کی سیر کی، وزرا اور بادشاہوں کے مہمان ہوئے، لیکن کہیں اور کسی حالت میں آپ کو وہ نہیں بھولے، ہر مجلس، ہر انجمن، ہر تقریب، ہر فنکشن میں آپ کا خیال ان کے ساتھ رہا اور آپ کو اپنی روداد حیات لکھتے رہے۔ یہ عزت میں سمجھتا ہوں ان کے اعزا، اقرب، تلامذہ، احباب، منتسبین، متوسلین میں شاید ہی کسی کو حاصل رہی ہو۔

انہی خطوط سے آپ کی شخصیت کا مجھے صحیح طور پر پتہ چلا، اور بے اختیار جی چاہا کہ ایسے موقع پر جبکہ آپ ہمیشہ کے لئے ترک وطن کر رہے ہیں، آپ کی خدمت میں نیاز حاصل کر دوں، یہ تو میں جانتا تھا، کہ آپ سید صاحب کے بہت ہی قریبی عزیز دوست اور بچپن کے ساتھی ہیں، لیکن یہ نہیں جانتا تھا کہ ماشاء اللہ آپ ادبی ذوق بھی رکھتے ہیں اور شروع جوانی میں موقت الشیوع اخبارات میں کبھی اندخود اور کبھی سید صاحب کے ایما سے مضامین بھی لکھتے تھے، اور آپ کے رشحات قلم سے مولانا ظفر علی خاں کے اخبار زمیندار کے صفحات خاص طور سے سیراب ہوتے تھے، سید صاحب کے استاد مولانا شبلی سے بھی آپ کے خصوصی تعلقات تھے، اور ان سے خط و کتابت کا سلسلہ بھی قائم تھا، اور یاد آتا ہے کہ مکاتیب شبلی کی پہلی جلد میں جو اعزا و احباب کے نام کے خطوط پر مشتمل ہے، آپ کے نام بھی چند مکاتیب ہیں، جو آپ سے مولانا شبلی کے غایت تعلق کے آئینہ دار ہیں، ظاہر ہے کہ ایسے بزرگ سے جوانتنے گوناگوں اوصاف و محامد کا جامع ہو، سید صاحب کے جتنے بھی تعلقات

رہے ہوں کم ہیں، صباح الدین صاحب تو آپ کو دیسنہ کا سرسید کہتے ہیں، اور یقیناً دیسنہ کی موجودہ علمی و تعلیمی ترقی آپ ہی کی پیہم کوششوں کی رہین منت ہے، آج دیسنہ اپنی آغوش میں سیکڑوں نئی تعلیم کے فرزند اور گریجویٹ لیے پڑا ہے جن پر ارض دیسنہ کو جتنا ناز ہو کم ہے۔

لیکن میرے نزدیک آپ کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ دیسنہ کا اُردو کتب خانہ ہے جس کو آپ نے بغیر کسی قسم کی بیرونی امداد و اعانت کے تنہا موجودہ حیثیت تک پہنچایا ہے۔ کتابوں کے اکٹھے اور جمع کرنے کی آپ کو جو لگن رہی ہے اور خود فرزندانِ دیسنہ ہی کے ذریعے آپ نے جس جس حیلے اور تدبیر سے کتابیں خریدی ہیں اور رسالے اور اخبارات منگوائے ہیں ان کا کسی قدر علم مجھ کو بھی ہے اگر آپ نے اپنے کتب خانے کے لئے کتابوں کے اکٹھا کرنے میں اپنے صوبہ کے قابل فخر فرزند خدابخش صاحب بیرسٹر کے طور و طریقے تو نہیں اختیار کئے لیکن کتابوں کے جمع کرنے کے ذوق کے لحاظ سے آپ بہار کے یقیناً دوسرے خدابخش ہیں، اگر ان کی اورینٹل لائبریری پٹنہ نادر قلمی کتابوں کے لحاظ سے ساری دنیا کے کتب خانوں میں ممتاز ہے جن کے لئے دور دور سے اربابِ علم و تحقیق رشد حاصل کرتے ہیں، تو آپکا کتبخانہ ابو صلاح دیسنہ بھی اُردو کی ہر دور کی مطبوعہ کتابوں اور اُردو کے قدیم اخبارات و رسائل کے مکمل فائلوں کے لحاظ سے ہندوستان و پاکستان کے تمام کتبخانوں میں امتیازِ خاص کا مالک ہے جن کے لئے اُردو کے شائقین، ریسرچ اسکالرس، مصنفین اور اہل قلم رشد حاصل کرتے ہیں، اور ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

(ابو علی ۔ اعظم گڑھ)

ایک ضروری گزارش

مجھے پچاس ہزار روپے کی اُردو مطبوعات خریدنا ہیں۔ دقت یہ ہے کہ جو کتابیں میں چاہتا ہوں وہ دستیاب نہیں ہوتیں اس لئے ہندوستان اور پاکستان کے کتب فروشوں سے درخواست ہے کہ وہ اپنے ذخیروں کی جامع فہرست مجھے بھیج دیں، یہ فہرست اگر ببلیو گرافی کے اصول کے مطابق انگریزی میں مرتب کی جائے اور ٹائپ شدہ ہو تو بہتر ہے ورنہ اُردو میں لکھی ہوئی فہرست بھی قابل قبول ہوگی۔

(پروفیسر خواجہ احمد فاروقی)

۲۸ کے ویلری لائنز ۔ دہلی یونیورسٹی دہلی

ٹیلی فون نمبر ۲۷۱۰۸

بقیہ
مصحفی کا جمالیاتی شعور

کس قدر گنگناتی، چھلکتی، اور جھومتی ہوئی بحریں ہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کوئی ناؤ پانی میں ہچکولے کھاتی ہوئی دور کسی خاموش ساحل کی طرف بہتی ہوئی چلی جا رہی ہو۔ بحروں میں بعض بحریں ایسی ہوتی ہیں کہ جن سے پیدا ابھرنے والی لہریں پانی کی طرح ایک دوسرے میں حل ہوتی ہیں۔ جیسے

حادثے ہوتے تھے زمانے میں
اس قدر انقلاب کس دن تھا

بعض بحروں کی ادائیگی سے ایک ہلکی اور میٹھی تکان کا احساس ہوتا ہے۔ ؎

زمانہ مجھ کو کھینچ کے تلوار مار ڈال
گر مارڈالنا ہے تو اک بار مار ڈال
صیاد تجھ کو کس نے کہا تھا کہ فصل گل
مجھ کو قفس میں کر کے گرفتار مار ڈال

اک بار مار ڈال، تلوار مار ڈال، ان لفظوں کی ادائیگی سے ایک میٹھی میٹھی تکان کا احساس ہوتا ہے جو بجائے خود ایک حسن ہے۔ "مصحفی" کے احساس حسن اور شعور جمال نے مدھم تانوں اور پنچم تانوں میں ایسے کتنے ہی رسیلے راگ، رسیلی راگنیاں اور مدھر گیت سنائے ہیں۔

ہیئت و اسلوب کا حسن بھی بہت ہی قابل توجہ ہے۔ مصحفی کے دور تک بلکہ اصغر، فانی، حسرت موہانی کے زمانے میں بھی ہیئت و اسلوب کو انفرادیت حاصل نہ ہو سکی۔ ایران میں منوچہری، اخفانی، اور سعدی کے علاوہ دوسرے شعراء کے یہاں بھی ہیئت و اسلوب کا حسن یکجا ملتا ہے۔ اردو شعراء میں نظیر سب سے زیادہ ہیئت کی طرف مائل تھے۔ اس قدر کہ انھوں نے اسلوب کی طرف سے قطعاً بے نیازی اختیار کر لی تھی۔

قدیم اردو ادب کا ناقد اسلوب و ہیئت کے امتزاج ہی میں فنی جمالیت کو تلاش کر سکتا ہے۔ چونکہ اس دور میں ہیئت کا تنوع صرف ردیف اور قافیے ہی کا مرہون منت رہا ہے۔ حقیقتاً یہ عاصر ہیئت کی انفرادیت کا عہد ہے۔ غالب کی سرکشی اور جدت پسندی سے ضرور توقع رکھی جا سکتی تھی۔ مگر انھوں نے بھی ہیئت کو اسلوب میں سمونے کی کوشش کی ہے اور ہر چند کہ ان کا آبگینہ تندیِ صہبا سے پگھل چکا تھا مگر پھر بھی کوئی نئی صورت اختیار نہیں کر سکا۔ مصحفی کے یہاں بھی ہم حسن ہیئت کو صرف ردیف اور قافیے ہی میں تلاش کر سکتے ہیں۔ انھوں نے کتنی ہی دلپذیر و دل نواز ردیفیں ایجاد کی ہیں۔ ؎

تیرا ہی ہے انتظار لیلیٰ
ناقہ تو کس کا ہرا کھڑا ہے

ان کی مشہور غزل ہے:-

حسرت سے نگاہ ہم نے کر لی • دیکھا اس کو اک آہ ہم نے کر لی

اس میں ہیئت و اسلوب کا تمام تر جمال موجود ہے۔ ؎

فلک گر ہنستا ہے مجھ پر کسی کو
میں ہنس کر فلک کی طرف دیکھتا ہوں

کتنا پیارا کھب جانے والا اسلوب ہے۔ یا ؎

اٹھنے لگے جو وہ مری بالیں سے وقت نزع
نکلا یہی زباں سے آہستہ کیا چلے؟

"اٹھنے لگے" ان دو لفظوں میں "اٹھنے" اور "اٹھ کر چلنے" کے تمام مدارج موجود ہیں۔ اٹھنے والا اٹھنے کا ارادہ کرتا ہے، اٹھنے لگتا ہے، اور بالآخر اٹھ کر چلا جاتا ہے، ایک ہی علامت میں شعور کی تینوں حالتیں "وقوف، احساس" اور ارادہ کارفرما ہیں اور ایک مریض غم آہستہ سے کہتا ہے "کیا چلے"؟ آہستگی کی شرط کو ملحوظ رکھئے۔ حسن و عشق کی ایک آزردہ ملاقات کا سا عالم تھکے ہوئے سے لمحے، کچھ عجیب منظر ہے جیسے کوئی موجود بھی ہے جا بھی رہا ہے، اور جا بھی چکا ہے۔ "اسلوب و ہیئت کی یہ جمالیاتی پہنائی و گیرائی اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور کرتی ہے کہ شعور جمال زمانی بھی ہے اور غیر زمانی بھی۔

ملک کے مشہور نقاد کلیم الدین احمد نے فن سے متعلق بڑی اچھی بحث کی ہے وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ شعر کے وارداتی حسن کا ایک بے حد اہم پہلو یہ ہے کہ احساس و اظہار میں ہم آہنگی ہو۔ یہ بات بڑی حد تک درست ہے۔ لیکن اس شرط کو قبول کرنے کے بعد فنکار کی فنی مشکلات بہت زیادہ بڑھ جاتی ہیں گویا اسے سادگی میں جمالیاتی رنگینی اور رنگینی میں جمالیاتی سادگی کی پردہ کشائی کرنا پڑتی ہے۔ اب اسی زاویہ نظر سے مصحفی کے چند شعر دیکھئے:-

دیکھا اس کو اک آہ ہم نے کر لی
حسرت سے نگاہ ہم نے کر لی
نخوت سے جو کوئی پیش آیا
کج اپنی کلاہ ہم نے کر لی

دیکھئے احساس و اظہار یا "داخلیت و خارجیت" دو متوازی خطوط کی طرح ساتھ ساتھ چل رہے ہیں:-

اس نازنیں کی باتیں کیا پیاری پیاریاں ہیں
پلکیں ہیں جس کی چھریاں آنکھیں کٹاریاں ہیں
جاگا ہے رات پیارے تو کس کے گھر جو تیری
پلکیں اونیندیاں ہیں آنکھیں خماریاں ہیں

ہم ان مثالوں کے بعد یہ نتیجہ اخذ کرنے میں کس قدر حق بجانب ہیں کہ مصحفی کے جمالیاتی شعور نے حسن فطرت کی تزئین کی ہے اور تکمیل بھی اور یہی وہ قرار نظر ہے کہ جہاں فنکار کی فکر فن کی ساحری رشتوں سے ہم آغوش ہوتی ہے۔

تبصرہ

خلیل الرحمٰن اعظمی

سوز و ساز

مصنف: فاروق بانس پاری
ناشر: انجمن تعمیر ادب - بنارس
قیمت: دو روپے

"سوز و ساز" فاروق بانس پاری نام کے ایک شاعر کا مجموعۂ کلام ہے۔ ممکن ہے موجودہ اُردو شاعری سے دلچسپی رکھنے والے قارئین کے لئے یہ نام نیا ہو۔ اس لئے جناب محمد نصر اللہ انصاری (دیلتھرا روڈ بلیا) کے اس تعارف سے مدد لینی پڑے گی جو اس مجموعے کی ابتدا میں درج ہے:-

"آپ کی ولادت ۱۹۱۵ء میں بمقام بانس پار ضلع بلیا میں ہوئی...... ۱۹۳۲ء میں سلسلۂ تعلیم ذوقِ شعر و ادب کی بدولت منقطع ہو گیا......... آپ سٹی مسلم لیگ گورکھپور کے سکریٹری منتخب ہوئے۔ ۹ فروری ۴۸ء کو حکومت نے مسلم نیشنل گارڈ کے چیف آرگنائزر کی حیثیت دے کر آپ کو ڈسٹرکٹ جیل گورکھپور میں نظر بند کر دیا۔"

جیل سے رہا ہونے کے بعد مسلم لیگ کی سیاسی سرگرمیوں سے کنارہ کش ہو کر آپ "اسلامی ادب" کی آبیاری کے لئے ہمہ تن مصروف ہو گئے چنانچہ تعارف نگار صاحب لکھتے ہیں:-

"اسلامی ادب کے بارے میں دفتر کے دفتر سیاہ کئے جا چکے ہیں اور آئندہ بھی ہوں گے۔ لیکن اس کے دھڑکتے ہوئے دل کا پیغام واضح طور پر سمجھنے کے لئے سوز و ساز کا مطالعہ آپ کی تسکین خاطر کا باعث ہو گا۔"

پھر اسلامی ادب کے اس علمبردار کے بارے میں یہ اطلاع دی جاتی ہے کہ

"مولانا مسعود عالم ندوی نے علامہ اقبال مرحوم کی خدمت میں آپ کی ابتدائی نظموں کا ایک مجموعہ بھیجا تھا۔ علامہ نے اپنے مکتوب مورخہ ۱۰ مئی ۱۹۳۸ء میں آپ کے متعلق جن خیالات کا اظہار فرمایا اس کے پیش نظر یہ طور پر کہا جا سکتا ہے کہ دور حاضر میں کلام فاروق علامہ اقبال کی صحت امید کا روشن ثبوت ہے۔"

ہماری اطلاع کے مطابق علامہ اقبال ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو رحلت فرما چکے تھے۔ نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ مرحوم نے ۱۰ مئی ۱۹۳۸ء کو جو مکتوب فاروق صاحب کی نسبت لکھا ہو گا وہ جنت الفردوس سے بھیجا گیا ہو گا۔ آگے چل کر جناب ابن فرید "سابق صدر آل انڈیا ادبِ اسلامی" کی وہ رائے درج کی گئی ہے جو موصوف نے رسالہ معیار بابت ماہ ستمبر ۵۸ء میں آپ کی نظموں پر دی ہے۔ یعنی

"آج ستر برس بعد علامہ کی امید پوری ہوتی نظر آتی ہے"

اب اس تعارف کے بعد جب ہم شاعر موصوف کے کلام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف "سوز و ساز" کو اقبال سے نسبت دے کر بے چارے پر اسی قسم کی تہمت لگائی جا رہی ہے جیسا کہ ایک زمانے میں آغا حشر کا شیکسپیئر اور حفیظ جالندھری کا فردوسی سے شجرۂ نسب ملایا جاتا تھا۔ اگر اسلامی ادب کے مبلغین اسی جوش تبلیغ سے کام لیتے رہے تو کیا عجب ماہر القادری صاحب اور ابو المجاہد زاہد بھی جبیل کے شعراء رومی و حافظ کے ہم پلہ قرار دئے جائیں۔ (نگر مٹے یا دانستہ سے تشبیہ دینا شاید داخل کفر ہو)

فاروق بانس پاری صاحب کے کلام کو اگر فن اور آرٹ کی جملہ شرائط یا جمالیاتی و تخلیقی عناصر سے ہٹ کر دیکھا جائے تو ان کا کلام اپنی جگہ پر مفید ثابت ہو سکتا ہے لیکن یہ "صحیفۂ اخلاق" شعر و ادب کے عام طالب علموں کو شاید ہی اپنی طرف متوجہ کر سکے۔ اس لئے نہیں کہ مذہب و اخلاق یا اسلام و تصوف شاعری کا موضوع نہیں بن سکتے بلکہ اس لئے کہ ان کی نظموں میں اسلام ایک تخلیقی یا فنکارانہ محرک کے طور پر نہیں بلکہ ایک تبلیغی یا واعظانہ محرک کے طور پر سامنے آتا ہے اس لئے ان نظموں کو صرف "جماعت اسلامی" کے کارکن یا رضاکار بغرض حصول ثواب پڑھ سکتے ہیں اور شاعر موصوف کو دعائے خیر سے یاد کر سکتے ہیں۔ جہاں تک اقبال سے اثر پذیری کا تعلق ہے وہ اس نوعیت کا ہے:-

ف، کھل چکا ہے تجھ پہ رمز آیۂ ان الملوک	ص ۳۴
(آ بتاؤں تجھ کو رمز آیۂ ان الملوک ـ	اقبال)
ف، مجھے ہے حکم سفر لا الٰہ الا اللہ	ص ۹
(مجھے ہے حکم اذاں لا الٰہ الا اللہ ـ	اقبال)
ف، خودی ہے تیغ، سپر لا الٰہ الا اللہ	ص ۱۰
(خودی ہے تیغ، فساں لا الٰہ الا اللہ ـ	اقبال)
ف، اک طرف اللہ ہو، اللہ ہو، اللہ ہو	ص ۸۵
(تو فقط اللہ ہو، اللہ ہو، اللہ ہو ـ	اقبال)

اگر اسی طرح مکھی پر مکھی مارنے کا نام اقبالیت ہے تو یہ اقبالیت "ادب اسلامی" کے پرستاروں اور "صالح ادب" کے مداحوں کی ہی ملکیت رہے تو اچھا ہے۔ اقبال کی فنی قدروں اور اس کے کلام کے آفاقی عنصر کو ترک کر کے محض کٹھ ملائیت کو اپنا ورثہ قرار دینا بھی شاید اسی گروہ کو راس آئے۔ اس مجموعے میں ادب کم ہے، تبلیغ زیادہ۔

ہم دیکھیں!
اگر آپ چاہتے ہیں کہ اردو [illegible]
[illegible] سمجھ کر اردو دانوں کے [illegible]
[illegible] ہماری زبان
[illegible]
[illegible] جاری رہ سکے۔

پبلشر نذیر حسن پرنٹر ظہیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن سے شائع کیا